© rasailojaraid.com

پروفیسر محمد سلیمان اظہر

فلسطین فلسطینیوں کا ہے

فلسطین جسے قدیم زمانے میں ماٹو پھر سرگون اعظم کے زمانہ میں ارض ایمورائٹ۔ یونانیوں کی تاریخ میں سیریا۔ رومیوں نے فلسطائنا، فونیقیوں کی مناسبت سے فونیشیا۔ بابلی نوشتوں میں کنعان، یعنی نشیبی زمین۔ عربوں نے شام یعنی بایاں۔ ترکوں نے سنجاک آف یروشلم یا ولایت بیروت۔ یہود نے ارض اسرائیل اور عیسائیوں نے ارض مقدس کہا ہے۔ آج سیاسی لحاظ سے دنیا کا اہم ترین قطعہ ارض بنا ہوا ہے۔ مذہبی طور پر یہاں یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں کے مقدس مقامات ہیں اور سیاسی طور پر تینوں اقوام کے مفادات اس خطے سے وابستہ ہیں۔ دونوں قسم کے عوامل اس قدر جاندار ہیں کہ ان کے باعث پوری دنیا تباہی کے کنارے آن لگی ہے۔ تینوں اقوام میں سے کوئی بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہے۔ تینوں کا خیال ہے کہ فلسطین پر صرف ان کا حق ہے اور کسی دوسرے کو اس میں مداخلت کا اختیار نہیں ہے۔

ہم آج کی نشست میں مسئلہ فلسطین کے حقیقی پس منظر کو ایک غیر جانبدار مؤرخ کی نظر سے دیکھ کر قارئین پر اس کے صحیح خدوخال واضح کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہاں کے اصل باشندے کون تھے ہیں کیونکہ وہی اس کے صحیح حق دار ہیں اور کون کون سی اقوام کہاں کہاں سے آ کر کن کن ادوار میں کن مقاصد کی خاطر یہاں آباد ہوئیں۔ ہماری نظر میں اس مسئلے کے حل میں مذہب کو دخل نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ تینوں اقوام کے مقدس مذہبی مقامات یہاں موجود ہیں اور کوئی بھی قوم طبعی طور پر اپنے مقامات مقدسہ سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔ جس طرح ہم اپنے قبلے بیت اللہ سے دستبردار نہیں ہو سکتے اسی طرح عیسائی اور یہودی بھی فلسطین میں موجود اپنے قبلے سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ جس طرح ہم مسجد اقصیٰ سے دستبردار نہیں ہو سکتے اسی طرح یہودی حضرت موسیٰ کی یادگاروں اور عیسائی حضرت عیسیٰ کی یادگاروں سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ ہماری نظر میں اس مسئلے کا واحد حل "فرزند سرزمین" کا نظریہ ہے کہ زمین انہی کی ہے جو وہاں کے اصل باشندے ہیں۔ اس لیے زیر نظر مضمون کے آغاز میں ہم یہی بحث کرنا چاہتے ہیں کہ فلسطین کے قدیم ترین باشندے کون سے ہیں۔ آیا وہ قوم دنیا میں اب موجود ہے۔ اگر موجود نہیں ہے تو ان کے بعد قدیم ترین کون سے ہیں۔ اگر وہ نسل بھی اب موجود نہیں ہے تو کون سی قدیم ترین نسل موجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جسے فلسطین کا وارث تصور کیا جائے اور فلسطین کے آتش کدے کو سرد کیا جا سکے۔ آئیے ہم آپ کو اس مقصد کی خاطر ازمنۂ گزشتہ میں لے چلتے ہیں۔

فلسطین اپنی مخصوص تاریخ کے اعتبار سے محض ایک قطعۂ ارض کبھی نہیں رہا۔ بلکہ جغرافیے نے اسے کچھ ایسی اہمیت عطا کر دی ہے کہ تاریخ ہمیشہ مصیبت میں مبتلا رہی ہے اور یہ ہر دور میں بین الاقوامی استخوانِ نزاع بنا رہا ہے۔ اس قطعۂ ارض میں انسان اس وقت سے آباد ہے جب سے انسانی زندگی تاریخ کی روشنی میں آئی ہے۔ یہ بات یروشلم کے شمال مغرب میں واقع "وادیٔ نطوف" کے وسطی حجری دور کے آثار قدیمہ سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ حالیہ کھدائی سے جو بابلی اور مصری ریکارڈ ظاہر ہوا ہے اس کی مدد سے ہم عبرانیوں سے قبل کی تاریخ بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ ان کے ذریعے فلسطین میں اسرائیلیوں سے قدیم تر باشندوں کا پتہ چلتا ہے۔ آثار قدیمہ کی کھدائیوں کے لیے ۱۸۶۰ء میں لندن میں فلسطین ایکسپلوریشن فنڈ قائم کیا گیا۔ پھر جرمن اورینٹل سوسائٹی اور فرنچ بابلی سکول آف یروشلم وجود میں آئے۔ جن کی کاوشوں سے ۱۸۹۰ء میں جنوبی جوڈیا میں کھدائیوں کا عملی کام شروع ہوا اور ارضِ مقدس سے متعلق بہت سی معلومات منظرِ عام پر آئیں۔ جن کے مطابق تین ہزار قبل مسیح میں یہاں سامی آباد تھے اور ان سے پہلے یہاں کوئی اور نسل آباد تھی جن کے غیر سامی ہونے کے شواہد موجود ہیں۔ ڈاکٹر میکس بنکین ہارن کے مطابق اس علاقے میں کم از کم دس ہزار سال پہلے انسان آباد ہوا۔ یہ لوگ غاروں میں رہتے تھے۔ کیونکہ ایک غار سے شیر کی ہڈیوں کے ساتھ انسانی پنجر بھی ملا ہے۔ کھدائیوں کے باعث ایک ایسے دور کے آثار بھی ملے ہیں جن لوگوں کا گزارہ صرف شکار پر تھا۔ یہ لوگ غیر سامی تھے کیونکہ وہ اپنے مُردوں کو جلا دیتے تھے جو آریاؤں کی رسم ہے (سامی اپنے مردے دفن کرتے ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ غاروں کے یہ مکین ہورائٹ یا ہورم تھے جو ایڈومائٹس کے اجداد تھے۔ اسی بنا پر بعض علماء کا خیال ہے کہ کنعان و فلسطین کے اصل باشندے یہی ہیں۔ مصری نوشتوں کے مطابق کھاتی یہاں کے قدیم باشندے ہیں۔ یہ نام ہیٹوں کے پرانے پایۂ تخت کی نسبت سے ہے۔ یہ لوگ غیر سامی تھے۔ تورات سے بھی یہاں غیر سامی اقوام کا وجود ملتا ہے۔ اسی لیے علماء کی اکثریت کا کہنا یہ ہے کہ تین ہزار سے ڈھائی ہزار سال قبل مسیح تک فلسطین میں غیر سامی آباد تھے جن کی طاقت عبرانیوں نے ختم کی اور طویل جد و جہد اور لڑائیوں کے بعد ارضِ مقدس پر اپنا تسلط جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اسی تسلط کی بنا پر وہ آج بھی اس علاقے کے دعویدار ہیں۔

سامی حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے سام سے منسوب ہیں اور تاریخ میں ان سے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگ مراد ہیں جو شمال میں سیریہ کے نام سے جنوب میں عربوں کے نام سے، مغرب میں موآبیوں، فونیشیوں اور عبرانیوں کے نام سے آباد تھے۔ اس سارے علاقے کو ہلالِ زرخیز کہتے ہیں۔ سامیوں کا اصل وطن عرب تھا جہاں سے آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ دوسرے علاقوں میں جا کر آباد ہوتے رہے۔ تاریخ میں ایسی چار ہجرتوں کا پتہ چلتا ہے۔ کنعان یا فلسطین میں سامیوں کا آکر آباد ہونا دوسری ہجرت کہلاتا ہے۔ عبرانیوں کے یہاں آنے سے پہلے سامیوں کے دو گروہ کنعانی اور اموری یہاں آباد تھے۔ کنعانی ساحلی علاقوں میں رہتے تھے اور اموری پہاڑوں میں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہاں پہلے اموری آئے پھر کنعانی۔ یہ دونوں گروہ اگرچہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان میں کوئی شباہت نہ تھی۔ ان کے بعد جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ سامیوں کا ہی ایک اور گروہ جسے بعد میں عبرانی اور آگے چل کر اسرائیلی اور یہودی کہا گیا علاقہ فلسطین میں آکر آباد ہوا۔

تورات کے مطابق عبرانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں جو سمیریوں کے دارالحکومت اُر سے ہجرت کر کے کنعان یا فلسطین میں آکر آباد ہوئے۔ اُر حضرت موسیٰؑ سے دو ہزار سال قبل تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ مشرق سے آنے والے خونخوار قبیلوں نے اس عظیم سلطنت کو تباہ کر دیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طوفانِ نوحؑ جیسے ایک اور طوفان نے ان کو تباہ کر دیا ہو کیونکہ اس سلطنت کے شہر تاریخ میں چار ہزار سال تک پھر کہیں نظر نہیں آتے۔ بہرحال کسی بھی وجہ سے اگرچہ یہ سلطنت برباد ہو گئی تاہم ان کا تحریری اثاثہ موجود رہا جو مصر پہنچا۔ پھر اسیریا یا بابل کی سلطنتوں میں پہنچا۔ پھر یونان اور یورپ کے دوسرے ممالک میں اور براستہ ایران دریائے سندھ کے کناروں تک پہنچا۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سمیریا کی یہ سلطنت مشرقی اور مغربی تہذیبوں کی ماخذ ہے۔ ان تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ساڑھے تین ہزار سال قبل مسیح میں جب کہ مصر میں بھی وحشت کا دور دورہ تھا اُر کے لوگ سونے چاندی اور دیگر دھاتوں سے شاہکار تخلیق کرتے تھے۔ یہاں کے ماہرین تعمیرات دورِ جدید کے اصولِ تعمیر سے خوب واقف تھے۔ اہلِ سمیریا کتابت کو کافی ترقی دے چکے تھے۔ فنِ سپہ گری میں طاق تھے۔ خشکی اور سمندری راستوں سے دنیا کے دیگر ممالک سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے۔ لکڑی کا کام بہت عمدہ کرتے تھے۔ نہروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ بیلوں سے ہل چلا کر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کا اپنا مجموعہ قوانین اور منظم مذہب تھا۔ اور قدیم زمانے میں اس علاقے سے زیادہ خوش حال کوئی علاقہ نہیں دیکھا گیا۔

اس علاقے سے ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی اور آٹھ سو میل کا فاصلہ طے کر کے کنعان پہنچے۔ راستے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں پہلے حران (ترکی میں ہے) پہنچے۔ پھر ساحل کے ساتھ ساتھ اس پرانے کاروانی راستے پر چلتے گئے جو فرات اور نیل کے شہروں کو ملاتا ہے۔ شاید وہ دمشق میں بھی رکے لیکن یہاں ماحول کو سازگار نہ پاکر آگے پہاڑی علاقوں کی طرف چل دیے۔ جہاں اگرچہ کاشت مشکل تھی لیکن امن وسکون میسر آسکتا تھا۔ یہ کنعان کا وہ حصہ تھا جسے بعد میں فلسطین کہا گیا۔ کنعانیوں نے ان نوواردوں کو ایبرس یا ابرم (دوسری جانب) کہا۔ یعنی دریائے فرات واردن کے دوسری جانب سے آنے والے۔ یہی لفظ بعد میں ہیبریو یعنی عبرانی بن کر اس نسل کے لیے مخصوص ہوگیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ فلسطین عبرانیوں کا اصل وطن نہیں ہے بلکہ ان کا یہاں نووارد ہونا خود ان کے نام میں مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد قدیم میں عبرانیوں نے فلسطین کو کبھی اپنا وطن نہیں سمجھا اور جب انہیں محسوس ہوا کہ کسی اور علاقے میں انہیں زیادہ مفادات مہیا ہوسکتے ہیں تو یہ فوراً دوسری جگہوں کی جانب چل دیے۔ جس کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں ان کا مصر آکر آباد ہوجانا ہے۔ ہوا یوں تھا کہ حضرت ابراہیم کے پڑپوتے حضرت یوسفؑ فروخت کرکے مصر پہنچا دیے گئے۔ جہاں مغربی ایشیاکے سامی النسل چرواہوں کا ایک قبیلہ ہائیکساس حکمران تھا۔ یہ قبیلہ خود غیر ملکی تھا اس لیے غیر ملکیوں کی حوصلہ افزائی کرتا اور مصریوں کو دباتا تھا۔ اس قبیلے کی حکومت میں حضرت یوسف علیہ السلام اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث وزیر خوراک کے منصب تک پہنچ گئے۔ اس زمانے میں ایک عالمگیر قحط سے مجبور ہوکر ان کے بھائی مصر آئے، جنہیں نیل کے ڈیلٹا میں ارض گوشن میں آباد کردیا گیا۔ اس طرح عبرانی فلسطین سے مصر منتقل ہوگئے اور صدیوں تک یہیں مقیم رہے۔ اس وقت تک ان کے ذہن میں کبھی یہ خیال پیدا نہ ہوا تھا کہ فلسطین ہمارا وطن ہے اور نہ ہی انھوں نے مصر کو اپنا وطن قرار دیا۔ بلکہ سیاسی اور معاشی اغراض سے مصر میں مقیم رہے اور جب یہاں یہ اغراض پورا ہونا بند ہوگئیں تو پھر مصر سے نکل کھڑے ہوئے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ہائیکساس جب عیاشیوں میں مصروف ہوکر جانبازی سے عاری ہوگئے تو مصریوں نے ان کے خلاف بغاوت کرکے پندرھویں صدی قبل مسیح میں مصر میں ایک نئی اور مضبوط حکومت قائم کردی جس نے بڑی بڑی تعمیرات کا سلسلہ شروع کیا جس کے لیے بیگار کی ضرورت تھی۔ گوشن کے علاقے میں صحت مند عبرانیوں کو جو غیر ملکی ہونے کے باوجود صدیوں سے وہاں آباد تھے انھیں کھٹکنے لگے اور بیگار کا قرعہ ان کے نام پڑگیا۔ نیز یہ مصری حکومت اس بات سے بھی خائف تھی کہ ایک خاص علاقے میں آباد خوش حال اور مضبوط غیر ملکی قوم کہیں ان کے اقتدار کو چیلنج نہ کردے اس لیے انھوں نے عبرانیوں پر سختیاں شروع کردیں جن سے تنگ آکر اور کچھ وقتی مذہبی اسباب کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحت یہ لوگ حضرت موسیٰ کی سرکردگی میں مصر سے نکل گئے اور فلسطین کی راہ لی۔ ان کا خیال تھا کہ کنعانی پہلے کی طرح کوئی مزاحمت نہ کریں گے۔ لیکن انھیں شدید مزاحمت سے واسطہ پڑا جس کے نتیجہ میں یہ لوگ ہمت ہار بیٹھے اور چالیس سال تک دشت نوردی کرتے رہے۔ بعد ازاں شکست و فتح کا کھیل کھیلتے ہوئے رفتہ رفتہ موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین میں سر چھپانے میں کامیاب ہو گئے۔ تورات گویا ہے "جب یوشع بوڑھا ہو گیا تو خدا نے اسے کہا تم بوڑھے ہو گئے ہو لیکن ابھی بہت سا علاقہ فتح کرنے کے لیے باقی ہے جس میں مصر کی سرحدوں سے لے کر وہ تمام علاقہ شامل ہے جو کنعانیوں کا علاقہ کہلاتا ہے۔ میں بنی اسرائیل کے داخلے سے قبل وہاں کے اصلی باشندوں کو نکال باہر کروں گا۔ تم بنی اسرائیل کو ان کی جگہ لینے کے لیے تیار کرو۔"

فلسطین میں مکمل برتری حاصل کرنے سے قبل عبرانی جہاں جہاں آباد ہوئے وہاں انھوں نے قلعہ بند شہر بنا لیے تھے اور کنعانیوں سے دوستانہ روابط پیدا کر کے زراعت میں مشغول ہو گئے۔ کنعانی بھی ایسے ہی شہروں میں رہتے تھے جو اکثر میدانی علاقوں اور خال خال پہاڑی علاقوں میں واقع تھے اور اکثر رقبہ خالی پڑا تھا۔ یہی بات یہاں عبرانیوں کے قدم جمنے کا باعث بنی۔ بعد میں جب دونوں اقوام کے مفادات ٹکرائے تو ان میں پھر حالتِ جنگ پیدا ہو گئی۔ جنگ گبسن کی کہانی عبرانیوں میں اسی دور کی یادگار رہے جس کے مطابق اموراٹنس کے بادشاہ نے عبرانیوں پر حملہ کر کے انھیں بے گھر کر دیا تھا (تورات میں کنعانیوں کو اموراٹنس اور ہتی بھی کہا گیا ہے) بعد میں پانسہ پلٹ گیا اور عبرانیوں نے کنعانیوں کے شہر جبرون اور ڈبیر وغیرہ فتح کر لیے اور تقریباً گیارہ سو سال قبل مسیح میں فلسطین کے منظر پر کنعانیوں کی بجائے عبرانی جلوہ گر ہو گئے۔ ورنہ اصل میں یہ سرزمین کنعانیوں کی ہی تھی جیسا کہ تورات میں ہے وہ — وہ جگہ جہاں تم اجنبی ہو کنعانیوں کی سرزمین ہے۔

کنعانیوں کی اس سرزمین پر عبرانیوں نے قابض ہو کر ایک عظیم سلطنت قائم کی۔ جس کا دارالحکومت جبرون تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے خیال میں یہ جگہ پایۂ تخت کے لیے مناسب نہ تھا۔ اس لیے انھوں نے موجودہ یروشلم کو جسے اس وقت جیبوسائٹ کہتے تھے منتخب کیا۔ سلیمان علیہ السلام نے عبرانیوں کی مرکزی عبادت گاہ تعمیر کرائی جسے ہیکل کہا گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ۹۶۱ ق م میں بادشاہ ہو کر ۹۲۲ ق م میں فوت ہو گئے جس کے فوراً بعد شیشاک مصری نے ہیکل تباہ کر دیا اور معبد کا قیمتی طلائی سامان لوٹ کر لے گیا۔ حضرت سلیمان کی وفات کے بعد عبرانیوں کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک کا نام جوڈیا تھا جس کا پایۂ تخت یروشلم تھا۔ اس کا حکمران حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا رجعام بنا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بعدازاں اولاد سلیمان عرصہ تک یہاں حکمران رہی۔ دوسری ریاست کا نام اسرائیل تھا جس کا دارالحکومت سامریہ تھا۔ یہاں عبرانیوں کے دس قبائل آباد تھے۔ ان دونوں ریاستوں کی داخلی تاریخ باہمی قتل و غارت اور سازشوں سے پُر ہے۔ آخر ۷۲۱ ق م میں اسرائیل کی ریاست اشوریوں کے ہاتھوں اور ۵۸۶ ق م میں جوڈیا کی ریاست بابلیوں کے ہاتھوں ختم ہوگئی۔ بخت نصر شاہنشاہ بابل نے ۶۰۰، ۵۹۷ ق م اور ۵۸۶ ق م میں یکے بعد دیگرے جوڈیا پر حملے کیے اور آخری حملے میں ہیکل کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا۔ خزانہ اور متبرک اشیا لوٹ کر ساتھ لے گیا اور بے شمار عبرانیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر لاتعداد افراد کو گرفتار کرکے بابل لے گیا اور بیگار کیمپوں میں محبوس کر دیا۔ تاآنکہ ایرانی بادشاہ سائرس نے ۵۳۶ ق م میں بابل فتح کر لیا اور بابلیوں کے مقبوضات اس کے قبضے میں آگئے۔ اس نے عبرانیوں کو فلسطین واپس جانے کی اجازت دے دی اور ۵۱۷ ق م میں یہ لوگ دوبارہ ہیکل تعمیر کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ سکندر نے ایران پر غلبہ حاصل کیا تو فلسطین اور عبرانی سکندر کے محکوم ہوگئے اور اس کی موت کے بعد یہ چیزیں اس کے جرنیل ٹیولمی کے حصہ میں آگئیں۔

۷۰ ق م میں ہیکل پر پھر تباہی نازل ہوئی۔ اس کی بنیادوں میں ہل چلا دیا گیا۔ ۲۱ ق م کے بعد ہیروڈ نے اسے دوبارہ بنوا دیا۔ لیکن ۶۹ء ٹائٹس نے فلسطین کو تہ و بالا کر کے ۲۹ر اگست ۷۰ء کو یروشلم پر قبضہ کرکے آگ لگا دی۔ ہیکل کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ مقدس صحیفوں کو نکال کر فتح کی یادگار کے طور پر روم لے گیا اور یروشلم کے گرد غیر یہودی آبادیاں قائم کر دیں۔ قیصر ہادریان (۱۱۷ء تا ۱۳۸ء) نے ہیکل کی جگہ پر جوپیٹر کا مندر بنوا دیا اور پانچ لاکھ یہود کو قتل کروا دیا اور پورے سال میں صرف ایک دن انہیں یروشلم آنے کی اجازت ملتی۔ جس روز ٹائٹس نے بیت المقدس کو مسمار کیا تھا) کہ خدا کے پیاروں کے ناخلف آکر یہاں رو لیں۔ اس شخص نے یروشلم کے کھنڈرات پر ایک نیا شہر تعمیر کر کے اس کا نام "ایلیا کاپی تولینیا" رکھا۔ اس واقعہ کے بعد فلسطین میں عبرانیوں کا یا تو داخلہ ہی ممنوع رہا اور اگر آئے بھی ہیں تو قیام اسرائیل تک محکوموں کی حالت میں۔

آج یہ قوم فلسطین کے دعویداروں میں سرفہرست ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ داؤدؑ و سلیمانؑ کی سرزمین ہمارا ورثہ ہے اور جس طرح ہر قوم کا ایک وطن ہوتا ہے اسی طرح یہ علاقہ ہمارا وطن ہے جہاں سے ہمیں جبراً نکال دیا گیا تھا۔ لیکن جیسا کہ اختصار کے ساتھ بتایا جا چکا ہے، یہ لوگ عہد قدیم میں بھی یہاں باہر سے آکر اور مقامی باشندوں کو دبا کر آباد ہوئے تھے اور جوں ہی ان کے مفادات متقاضی ہوتے یہ بے دریغ نئے علاقوں کی طرف چل دیتے رہے ہیں اس لیے ان کا موجودہ دعویٰ قطعاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے بنیاد ہے۔ اس کی مزید تفصیل اگلے صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اب ذرا دوسرے دعویداروں سے تعارف حاصل کریں۔

یہود کی جلاوطنی کے بعد فلسطین رومی قیصروں کے زیرِ نگین رہا۔ اس دور میں یہاں عیسائیت نے جڑیں پکڑیں۔ تا آنکہ ۳۲۶ء میں رومی قیصر قسطنطین نے عیسائیت قبول کر لی۔ جس نے اس مذہب کے فروغ کے لیے بھرپور مساعی کا آغاز کر دیا۔ اس نے ہیکل سلیمانی کی جگہ گرجا بنوا دیا۔ یروشلم میں کئی اور گرجے بھی بنوائے اور مسیح کی یادگاروں پر عمارات تعمیر کروائیں جن کی زیارات کے لیے ہزارہا عیسائی یہاں آنے لگے جن کے لیے مسافر خانے تعمیر کروائے گئے۔ اس طرح یروشلم ایک عیسائی شہر اور فلسطین ایک عیسائی ملک کی صورت اختیار کر گیا۔ صلیب مقدس تلاش کی گئی۔ قسطنطین کی ماں سینٹ ہلینا نے یروشلم کی زیارت کے سفر کو مقدس مذہبی رنگ دے دیا۔ بعد کے قیصروں نے بھی ایک عیسائی شہر بنانے میں بھرپور حصہ لیا اور ان کی زیرِ سرپرستی عیسائیوں کی جانب سے یہود یا عبرانیوں پر مظالم کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ عیسائیوں کا خیال تھا کہ مسیح اور ان کے اولین پیروکاروں پر عبرانیوں نے جو مظالم کیے تھے ان کا بدلہ لینے کا وقت آ چکا ہے۔ گریشین اور تھیوڈوسیس اعظم بڑے متعصب عیسائی بادشاہ تھے۔ انھوں نے غیر عیسائیوں کو سخت سزائیں دیں۔ ۳۹۱ء میں سکندریہ کا مشہور کتب خانہ جلا دیا (یہ وہی کتب خانہ ہے جس کے جلانے کا الزام مستشرقین سیدنا عمر فاروقؓ پر لگاتے ہیں) ظلم و تعصب کا یہ دور ۶۱۴ء تک جاری رہا۔ پھر خسرو شاہ ایران نے رومیوں سے ہتھیا لیا اور عیسائی مکافاتِ عمل کی زد میں آ گئے۔ ہزارہا عیسائی تہ تیغ کر دیے گئے۔ مزار مقدس کے کلیسا اور دوسرے چرچ تباہ کر دیے گئے۔ ہیکل پہلے سے ہی برباد ہو چکا تھا۔ پھر ۶۲۸ء میں ہرقل نے خسرو کو شکست دے کر یروشلم پر دوبارہ عیسائی قبضہ بحال کیا اور یہود کے یہاں داخلے کی پھر سے ممانعت کر دی تا آنکہ ۶۳۹ء میں حضرت فاروق اعظمؓ اپنے ایک غلام کو اونٹ پر بٹھائے بیت المقدس کی چابیاں حاصل کرنے کے لیے شہر مقدس تشریف لائے اور بطریق بیت المقدس بے اختیار پکار اٹھا کہ مصحف آسمانی کا لکھا پورا ہو گیا۔ "وہ اپنے غلام کے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے شہر میں داخل ہوگا۔" اس طرح شہر مقدس ایک اسلامی شہر کی حیثیت سے منظرِ عام پر آیا۔ گویا ۳۲۸ء سے ۶۳۸ء تک یہ شہر عیسائی حکومت کے زیرِ نگیں رہا اور تین صدیوں کا یہ قبضہ ان کے دعویٰ فلسطین کی ایک بنیاد بن گیا۔

عیسائیوں کا فلسطین پر دعویٰ ہر دور میں رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ علاقہ ان کے پیغمبر حضرت عیسٰیؑ کی جائے ولادت ہے۔ وہ یہیں پروان چڑھے۔ یہیں انھیں نبوت ملی۔ ان کی تبلیغ کا میدان بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی علاقہ ہے۔ یہیں انھیں پھانسی دی گئی۔ اور پھر آسمان پر جانے سے قبل وہ یہیں دفن ہوئے۔ ان کا قبلہ و کعبہ بھی علاقہ ہے۔ مزید برآں ابتدائی عیسائیوں میں عبرانی یہودیوں کی کثیر تعداد شامل تھی اس لیے اگر فلسطین عبرانیوں کی میراث ہے تو یہ اب عیسائیوں کی جانب منتقل ہو جانی چاہیے۔ اپنی یہ میراث حاصل کرنے کے لیے ان لوگوں نے ہر دور میں کوشش کی ہے۔ ہم ان کے دعویٰ پر بحث کرنے سے قبل اس ارضِ مقدس کے دعویداروں میں تیسرے فریق کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کر دینا چاہتے ہیں، جو مسلمان ہیں۔

خطۂ فلسطین مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے۔ یہاں فاتحانہ ورود سے پہلے ہی مسلمان اس جگہ سے قلبی وابستگی رکھتے تھے۔ واقعہ معراج میں یروشلم مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ فتح بیت المقدس کے بعد مسلمانوں نے اس کی عظمت و تقدیس کو چار چاند لگا دیے۔ مکمل مذہبی آزادی عطا کی۔ باشندوں کے جان و مال و آبرو کی مکمل حفاظت کی۔ یہاں لاثانی مذہبی عمارات تعمیر کرائیں۔ ولید نے مسجد اقصٰی بنوائی۔ سلیمان نے رملہ نامی شہر بسا کر اسے فلسطین کا دار الحکومت بنایا۔ یہود نے اپنی صدیوں پرانی اکیڈمی آف طریاس یروشلم میں منتقل کر لی۔ عبد الملک نے عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دے کر جب اس کی نشوونما کے لیے اقدامات شروع کیے تو عبرانیوں کو بھی اپنی مردہ زبان کی نشاۃ ثانیہ کا خیال آیا جس کے نتیجہ میں عبرانی زبان پھر سے محفوظ ہو گئی۔ گویا اس ارضِ مقدس میں تاریخ میں پہلی مرتبہ تینوں مذاہب کے لوگ مکمل امن و امان سے رہنے لگے تا آنکہ عیسائیوں نے اپنے سابقہ اقتدار کے نشے میں گیارھویں صدی عیسوی میں اس علاقے میں مسلم اقتدار کو چیلنج کر کے مسلسل دو صدیوں تک کے لیے امن و امان کا سلسلہ درہم برہم کر دیا۔ یہ دور تاریخ میں صلیبی جنگوں کا دور کہلاتا ہے۔ ان جنگوں کے اسباب مذہبی کم اور سیاسی زیادہ تھے۔ مثلاً ایشیائے کوچک واپس لینے کی ایک کوشش میں رومی بادشاہ بذاتِ خود گرفتار ہو گیا۔ ایسے خطرہ پیدا ہوا کہ مسلمان اب اس کے پایۂ تخت کو بھی روند ڈالیں گے۔ لہٰذا اس نے عیسائیوں کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کر کے مسلمانوں کے مقابل لا کھڑا کیا۔ کلیسائے روم کا پاپائے اعظم عالم عیسائیت میں تفوق و برتری کی سب سے بڑی علامت تھا لیکن کلیسائے یونان اس کا اقتدار تسلیم نہ کرتا تھا۔ جو ۱۰۵۴ء سے الگ حیثیت منوا چکا تھا۔ یروشلم پر قبضہ کی صورت میں دونوں کلیساؤں کے ایک ہو جانے اور پاپائے روم کے غلبہ کی امید تھی اس لیے اس نے مذہب کی آڑ لے کر اپنی سیاست چمکانے کی کوشش کی۔ یورپ کے عوام کی معاشی حالت ناگفتہ بہ تھی اور وہ شام و فلسطین کے مسلمانوں کی مال و دولت کے قصے سنا کرتے تھے۔ لوٹ مار کے شوق نے مذہب کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اور یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب عوامل اس ایک واقعے سے کھل کر سامنے آ گئے جب کہ فاطمی خلیفہ الحاکم نے عیسائیوں کی صلیب مقدس کے ساتھ ان کے بقول غیر شائستہ سلوک کیا تھا اور یہ خطہ دو صدیوں تک جنگ کی آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں یہ جنگیں ختم ہوئیں اور عیسائی اپنی پوری مشرقی سلطنت دے کر کمیل سے جان چھڑا سکے۔ دعوئی فلسطین بھی بظاہر واپس لے لیا گیا۔ کیونکہ رچرڈ شیر دل نے یہ علاقہ اپنی بہن کے جہیز میں مسلمانوں کو دینے کی پیشکش بھی کر دی تھی۔ قسطنطنیہ میں عیسائی سلطنت راکھ کا ڈھیر بن گئی اور یہ عظیم شہر آج بھی مسلمانوں کا شہر ہے۔ یونان و بلقان جو کسی زمانے میں رومن صوبے تھے مسلمانوں کی کالونی بن گئے۔ اس سے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو یورپ میں عمل دخل کا موقع مل گیا جس سے وہاں جہالت کا خاتمہ اور سیاسی بیداری کا آغاز ہوا۔ شاید یہی ایک فائدہ تھا جو دو صدیوں کی جنگوں سے عیسائیوں کو حاصل ہوا۔

صلیبی جنگوں کے بعد یہ علاقہ مسلمان حکمرانوں ہی کے زیرِ نگین رہا۔ اس کی پاسبانی کے فرائض عثمانی ترک سر انجام دیتے رہے۔ ۱۵۱۷ء میں سلطان سلیم نے اس پر قبضہ کیا تو یہودی یہاں آ کر آباد ہونے لگے۔ اس سے قبل سپین ان کا محبوب علاقہ تھا۔ یورپی ممالک کے ستائے ہوئے یہودی وہاں جا کر پناہ لیتے تھے اور وہاں کے علمی ماحول میں پہنچ کر علم و فن کے خادم بن جاتے تھے۔ موسیٰ بن میمون جس نے شریعت یہود کو از سرِ نو مرتب کیا تھا سپین ہی کا رہنے والا یہودی تھا۔ پھر سپین سے مسلمانوں کے اخراج کے بعد یہود پر بھی وہاں کی فضا تنگ ہو گئی اور ان کا رخ فلسطین کی جانب ہو گیا۔ عثمانیوں نے انہیں مذہبی آزادی عطا کی۔ یہاں ان کی مذہبی نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہوا۔ جس کا مرکز سیفد نامی جگہ بنی جہاں سپین سے بھاگ کر آیا ہوا ایک یہودی عالم جیکب براب آباد ہو گیا تھا۔ عثمانی سلطان نے ایسے پناہ گزینوں کو آباد کاری کے لیے طبریہ کے گرد زمین عطا کی۔ عیسائیوں سے ان کی دشمنی کا یہ عالم تھا کہ ان کے بھگوڑوں کو عیسائی جہازوں میں سفر کرنے کی اجازت بھی نہ دی۔ ترکوں کے ہمدردانہ رویہ کے باعث یروشلم اور فلسطین میں ان کی تعداد میں اضافہ شروع ہوا۔ مشہور سیاح گبر وندی کے مطابق ۱۲۶۷ء میں یروشلم میں صرف دو یہودی خاندان آباد تھے۔ ۱۴۸۸ء میں پورے فلسطین میں ان کے خاندانوں کی تعداد ۷۰ تھی۔ جو ۱۴۹۵ء میں بڑھ کر ۲۰۰ ہو گئی۔ ترکوں کی رواداری کے باعث یہ تعداد بڑھتی گئی تا آنکہ انیسویں صدی کے آغاز میں فلسطین میں یہود کی آبادی ۵ ہزار ہو گئی۔ ترک مسلمانوں کے حسنِ سلوک کا بدلہ اس احسان فراموش قوم نے یہ دیا کہ فلسطین میں وطن الیہود کے قیام کی کوشش شروع کر دی۔ ۱۸۹۷ء میں لارڈ ہرزل نے صیہونی تحریک شروع کر کے سلطان عبدالحمید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مراعات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ سلطان کے انکار پر اس نے قیصر ولیم آف جرمنی سے اس شرط پر سفارش کروائی کہ یہودی سلطان کے تمام قرضے چکائیں گے اور ترکی میں فیکٹریاں لگائیں گے۔ لیکن سلطان نے کورا جواب دے دیا۔ اس پر ان لوگوں نے زیرِ زمین سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ۱۹۰۸ء میں سلطان معزول کر دیا گیا۔ عرب و عثمانی کی تفریق کر کے دونوں کو ایک دوسرے سے لڑانا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو جنرل ایلن بی نے فلسطین فتح کر لیا اور اس طویل مسلم دور کا خاتمہ ہو گیا جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فتح بیت المقدس سے شروع ہوا تھا۔ بعد ازاں اس علاقے کو دو حصوں میں بانٹ کر اردن اور اسرائیل کی حکومتیں قائم کر دی گئیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس تقسیم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجۃً کئی جنگیں ہو چکی ہیں اور تا حال اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھا۔

بہر حال یہ ہیں فلسطین کے تیسرے دعویدار۔ آئندہ نشست میں ہم یہ دیکھیں گے کہ کس کا دعویٰ مبنی بر حقائق ہے اور کون محض دھونس اور دھاندلی سے کام لے رہا ہے۔

ماہنامہ محدث کی خصوصی پیشکش

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر

منفرد اور نرالی آب و تاب کے ساتھ، جامع اور مثالی شاہکار

مولانا ابو الکلام آزاد کا غیر مطبوعہ، فکر انگیز اور نادر مقالہ۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی۔ ابو سلمان شاہجہان پوری۔ جسٹس (ریٹائرڈ) بدیع الزمان کیکاؤس۔ ڈاکٹر امان اللہ خان۔ مولانا عنایت اللہ وارثی۔ مولانا عزیز زبیدی۔ پروفیسر اقبال جاوید۔ حافظ نذر احمد۔ ثریا بتول، خالد علوی۔ اختر راہی۔ حمید اللہ خان۔ عاصم نعمانی۔ آباد شاہ پوری۔ ابو القاسم جذبی۔ طاہر القادری۔ نظر زیدی۔ عبد الغفار اثر۔ محمد امین سالک (مہنگا پادری) حفیظ الرحمٰن احسن اور کئی دیگر مشاہیر اہلِ قلم کی نگارشات سے مزین۔ مستقل خریداروں کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجر حضرات کے لیے معقول کمیشن۔

شعراء حضرات۔ احسان دانش۔ عارف عبد المتین۔ منظور احسن عباسی۔ حفیظ تائب۔ طاہر قریشی۔ عبد الرحمٰن عاجز۔ خواجہ عبد المنان راز۔ طاہر شادانی۔

تازہ ایڈیشن: جلد اول قیمت -/۷ روپے جلد دوم قیمت -/۹ روپے

دفتر رابطہ: دفتر ماہنامہ محدث۔ بالائی منزل میسرز حافظ عبد الوحید اینڈ برادرز

رام گلی نمبر ۲ برانڈرتھ روڈ لاہور فون نمبر ۲۵۲۸۹۷ / ۶۳۲۱۰

© rasailojaraid.com